سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعیؒ

اور ان کی کتاب ''الرسالۃ''

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء

امام شافعی تاریخ اسلام کی چند مشہور ترین شخصیتوں میں سے ہیں، تمام علوم اسلامیہ میں انہوں نے زندہ جاوید اور تابندہ نقوش چھوڑے، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہر دور میں ان کے فقہی مسلک کی پیرو رہی، ان کی تقلید نہ کرنے والے بھی ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے اجتہادات وآراء کو بڑا وزن دیتے ہیں، ذیل کی سطروں میں ان کی حیات وخدمات کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے، اس کے بعد علم اصول فقہ کے میدان میں ان کے کام اور مقام پر کچھ تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

نام ونسب اور ابتدائی حالات

امام شافعی کا نام محمد، والد کا نام ادریس ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف، دسویں پشت (عبد مناف) میں ان کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، عبد مناف کے چار لڑکے تھے: (۱) مطلب (۲) ہاشم (۳) عبد شمس (۴) نوفل، اس سلسلۂ نسب کے اعتبار سے امام شافعی قریشی اور مطلبی ہیں۔

امام شافعی کے پردادا کے باپ کا نام شافع ہے، اسی نسبت سے انہیں شافعی کہا جاتا ہے، اس نسبت سے انہیں اس قدر شہرت ملی کہ اصل نام پس منظر میں چلا گیا، بعض تذکرہ نگاروں نے امام شافعی کے قریشی النسب ہونے کا انکار کیا ہے، ان کے نزدیک امام شافعی کے جد ثالث شافع، ابولہب کے آزاد کردہ غلام تھے، اس لئے وہ نسباً قریشی نہیں بلکہ ولاءً قریشی تھے، لیکن مشہور روایات کے اعتبار سے امام موصوف نسباً قریشی اور مطلبی ہیں۔

۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی، یہی امام شافعی کا سن ولادت ہے، بلکہ بعض تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق جس رات میں امام ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی اسی رات امام شافعیؒ کی پیدائش ہوئی۔

ان کی جائے پیدائش کے بارے میں تین روایتیں ہیں، اکثر راویوں کے بیان کے مطابق ان کی پیدائش ملک شام کے مقام ''غزۃ'' میں ہوئی، دوسری روایت میں ان کی جائے پیدائش عسقلان ہے، جو ''غزۃ'' سے تین فرسخ کی مسافت پر واقع ہے، یہ دونوں مقامات شام میں واقع ہیں، تیسری روایت کے مطابق ان کی پیدائش یمن میں ہوئی، ان میں سے پہلی روایت راجح ہے۔

راجح روایت کے اعتبار سے ان کی والدہ قبیلۂ ازد کی خاتون تھیں، امام شافعی کے مشہور تذکرہ نگار امام فخر الدین رازیؒ نے ان کی والدہ کے قریشی ہونے کو شاذ روایت اور مخالف اجماع قرار دیا ہے۔

امام شافعی کی پیدائش ایک عالی نسب لیکن غریب گھرانے میں ہوئی، ان کے والد کا ان کی کمسنی میں انتقال ہوگیا، ان کی والدہ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں شام میں دوسرے قبائل کے درمیان بود و باش اور رہائش سے بچے کی نسل اور نسبی خصوصیات ضائع نہ ہوجائے، اس لئے وہ امام شافعی کو بچپن ہی میں لے کر مکہ مکرمہ آگئیں، تاکہ قریش کے درمیان رہائش سے نسلی خصوصیات میں ترقی ہو۔

تعلیم وتربیت

امام شافعی کو اللہ تعالیٰ نے خارق عادت ذہانت اور حافظہ سے مالا مال کیا۔انھوں نے بہت مختصر مدت میں قرآن کریم حفظ کرلیا، اس کے بعد محدثین کی خدمت میں حاضر ہوکر احادیث کی تحصیل میں مشغول ہوگئے، چند برسوں میں انھوں نے احادیث نبویہ کا بڑا ذخیرہ یاد کرلیا۔امام شافعیؒ نے عربی زبان وادب میں کمال پیدا کرنا چاہا تو چند سال قبیلہ ''ہذیل'' میں گزارنے کا فیصلہ کیا، اس وقت عالم اسلام کا رقبہ وسیع ہو چکا تھا، مختلف عجمی قومیں اسلام قبول کرچکی تھیں، بلاد اسلامیہ میں ان کی بڑی تعداد آباد تھی، عجمیوں کے اختلاط سے عربی زبان میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا، بہت سے غیر عربی الفاظ واسالیب عربی زبان میں داخل ہورہے تھے، خصوصًا شہر میں رہنے والے عربوں کی زبان عجمی الفاظ واسالیب اور عجمی خیالات وتعبیرات سے زیادہ متاثر ہورہی تھی، اس تاثیر وتاثر سے عرب کے وہی قبائل محفوظ تھے جو شہروں کی رونقوں اور ہنگاموں سے دور، عرب کے ریگستانوں اور صحراؤں میں زندگی گذار رہے تھے۔

اس سلسلے میں قبیلۂ ہذیل بہت ممتاز تھا، اس کی بود وباش قدیم عرب قبائل کے طرز پر تھی، اس لئے ان میں عربی خصوصیات پورے طور پر باقی تھیں۔زبان کی فصاحت وبلاغت میں یہ قبیلہ بہت ممتاز تھا، امام شافعی نے عربی زبان و ادب میں کمال پیدا کرنے اور عربی خصوصیات حاصل کرنے کے لئے چند سال قبیلۂ ہذیل میں گذارے، ابن کثیر کی ایک روایت کے مطابق انھوں نے بادیہ میں دس سال گذارے، اس طویل مدت میں ہذیل کی زبان سیکھتے، ان کے اشعار واخبار یاد کرتے، عربوں کی عادات وروایات سیکھتے۔انھوں نے زبان وادب کے علاوہ تیراندازی میں بڑی مہارت پیدا کرلی، دس سال کے بعد جب مکہ واپس ہوئے تو قبیلۂ ہذیل کے اشعار واخبار اور اسالیب کے سب سے

بڑے ماہر تھے، اصمعی جیسے امام ادب ولغت نے ان سے ہذیل کے اشعار کی تصحیح کی۔

امام شافعی نے مکہ کے فقہاء اور محدثین سے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا، مکہ مکرمہ اس وقت ایک اہم علمی مرکز تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابہ کرام میں خصوصی مقام رکھتے تھے، کم عمری کے باوجود علمی فضل وکمال کی وجہ سے اکابر صحابہ میں ان کا شمار تھا، تفسیر قرآن میں خصوصی امتیاز کی وجہ سے انہیں ''ترجمان القرآن'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، احادیث نبویہ پر ان کی وسیع نظر تھی، تفقہ واجتہاد میں ان کا مقام معروف تھا، عربی زبان وادب کے ماہر اور اداشناس تھے، حضرت ابن عباس کی مسند درس مکہ مکرمہ میں بچھی ہوئی تھی، امام شافعی کے دور طالب علمی میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں کے شاگرد مکہ مکرمہ کی علمی مجلسوں کی رونق تھے، امام شافعی نے ان حضرات سے مختلف علوم سیکھے، ان میں کمال پیدا کیا، امام شافعی کے مکی شیوخ میں سے چند یہ ہیں: (۱) سفیان بن عیینہ (۲) مسلم بن خالد زنجی (۳) سعید بن سالم القداح (۴) داؤد بن عبدالرحمن العطار (۵) عبدالحمید بن عبدالعزیز۔

شیوخ مکہ سے امام شافعی علم حاصل کرکے، حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے استاذ مسلم بن خالد زنجی نے انہیں فتویٰ دینے کی اجازت دے دی، لیکن امام شافعی کی اولوالعزمی اور ہمت مردانہ نے اتنے علم پر قناعت کو مناسب نہیں سمجھا، اس وقت پورے عالم اسلام میں عالم مدینہ امام مالک کے علم وفضل اور ان کی تصنیف مؤطا کا شہرہ تھا، امام شافعی نے مدینہ منورہ جا کر امام مالک کی شاگردی اختیار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن مدینہ منورہ جانے سے قبل مؤطا امام مالک حاصل کرکے اس کا مطالعہ کیا اور اس کی روایتیں یاد کیں۔

امام مالک نے پہلی ہی ملاقات میں امام شافعی کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بھانپ لیا، ان کے تابناک مستقبل کی پیشین گوئی کی، قیمتی نصیحتیں کیں، امام مالک کی خصوصی توجہات اور عنایات سے امام شافعی نے بہت مختصر مدت میں ان سے مؤطا پڑھ لی، اس کے بعد ۱۷۹ھ تک امام مالک کی خدمت میں رہ کر اجتہاد وتفقہ کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ ۱۷۹ھ میں امام مالک کا انتقال ہوگیا جب کہ امام شافعی کی عمر ۱۹/سال ہو چکی تھی، مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں انہوں نے امام مالک کے علاوہ درج ذیل شیوخ سے بھی علم حاصل کیا: (۱) ابراہیم بن سعد انصاری (۲) عبدالعزیز بن محمد دار وردی (۳) ابراہیم بن ابی یحییٰ (۴) محمد بن ابی سعید ابن ابی فدیک (۵) عبداللہ بن نافع الصائغ۔

سرکاری ملازمت اور بغداد آمد

امام مالکؒ کی وفات کے بعد امام شافعیؒ نے اپنی معاشی مجبوریوں سے سرکاری ملازمت کی راہ اپنائی، یمن میں ان کا تقرر ہوا، انہوں نے اپنی ولایت میں عدل وانصاف قائم کیا، ظالموں کا ہاتھ پکڑا، مظلوموں کی دستگیری کی، ان کے کچھ مخالفین پیدا ہوگئے، انہوں نے سازش کرکے خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں شکایت بھیجی کہ کچھ علوی آپ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، محمد بن ادریس شافعی بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔

ہارون رشید نے نوعلویوں کو جن کے خلاف شکایت تھی اور امام شافعی کو دار الخلافۃ بغداد طلب کرلیا، علویوں کو بغاوت کے شبہ میں قتل کر دیا گیا، امام شافعی اپنی قوت استدلال اور امام محمدؒ کی سفارش سے رہائی پا گئے۔ یہ واقعہ ۱۸۴ھ میں پیش آیا۔ امام شافعی کی بغداد آمد ملزم کی حیثیت سے ہوئی تھی لیکن یہی آمد امام محمد بن الحسن شیبانی سے تلمذ و استفادہ کا ذریعہ ثابت ہوئی، امام شافعی کی بغداد آمد سے پہلے ہی امام ابو یوسف کا انتقال ہو چکا تھا، امام محمد ان کی جگہ پر قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تھے، عراق کے فقہی دبستان کے سرخیل بھی وہی تھے۔

امام محمد سے تلمذ

امام شافعی نے دار الخلافت بغداد کی حاضری کو غنیمت سمجھتے ہوئے بغداد کے مشائخ اور علماء سے کسب فیض کیا، انہوں نے خاص طور سے امام محمد بن الحسن سے بہت زیادہ استفادہ کیا، امام محمدؒ نے بھی ان کے ساتھ خصوصی توجہ و عنایت کا معاملہ فرمایا، اسی لئے امام محمد کے علم وفضل، اخلاق ومروت اور معلمانہ جانفشانی کے بارے میں امام شافعی سے بلند الفاظ کثرت سے منقول ہیں۔

حرم مکی میں درس وتدریس

بغداد میں امام محمد اور وہاں کے دوسرے محدثین وفقہاء سے تحصیل علم کے بعد امام شافعی مکہ مکرمہ تشریف لائے اور حرم مکی میں ان کا درس ہونے لگا، بہت جلد امام شافعی کے حلقۂ درس کی غیر معمولی شہرت ہوگئی، دور دراز سے راویان حدیث اور طالبان تفقہ واجتہاد ان کے حلقۂ درس میں شرکت کرنے لگے۔

انہوں نے ایک نئے دبستان فقہ واجتہاد کی بنیاد ڈالی جس میں مختلف فقہی دبستانوں کی خصوصیات اور خوبیاں سمٹ آئیں۔ اللہ نے انہیں عالم اسلام کے مختلف فقہی دبستانوں کا گہرائی سے مطالعہ کرنے اور ان کا موازنہ کرنے کا بہترین موقع فراہم کیا، مدینہ اور عراق کے اجتہادی مکاتب فکر کے علاوہ انہوں نے امام اوزاعیؒ کے شاگرد عمر بن ابی سلمہ سے فقیہ شام امام اوزاعی کے اجتہادات وآراء کی واقفیت بہم پہنچائی، اور فقیہ مصر لیث بن سعد کے فقہی مسلک کا مطالعہ ان کے شاگرد یحییٰ بن حسان کی مدد سے کیا۔

امام شافعی نے مختلف فقہی دبستانوں کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد اپنی خداداد ذہانت، عبقریت، طباعی اور نکتہ رسی کے ذریعہ ایک نیا فقہی دبستان ترتیب دیا، نصوص کتاب وسنت سے استنباط مسائل کے اصول وآداب مقرر کئے، خبر واحد کی حجیت اور شرائط صحت پر فیصلہ کن گفتگو کی، اجماع اور قیاس پر اصولی بحثیں کیں۔

دوبارہ بغداد تشریف آوری

مکہ مکرمہ میں تقریباً نو سال درس دینے کے بعد امام شافعی دوبارہ بغداد ۱۹۵ھ میں تشریف لائے، اس وقت ان

کی مجتہدانہ شہرت پورے عالم اسلام میں پہنچ چکی تھی، ان کی طرف محدثین، فقہاء اور طالبان علوم کا بے پناہ رجوع ہوا، حضرت عبدالرحمن بن مہدی کی فرمائش پر انہوں نے کتاب ''الرسالۃ'' تصنیف کی جو اصول فقہ کی سب سے پہلی تصنیف قرار دی جاتی ہے، امام رازی کے بیان کے مطابق مصر جانے کے بعد انہوں نے الرسالۃ کی تصنیف دوبارہ کی، بغداد میں دوسال قیام فرمانے کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئے۔ ۱۹۸ھ میں تیسری بار بغداد تشریف لائے لیکن چند ہی ماہ بغداد میں قیام کرنے کے بعد مصر کا سفر اختیار کیا، ۱۹۹ھ میں مصر پہنچے، اس کے بعد وفات تک مصر ہی میں قیام فرمایا، رجب ۲۰۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور ۵۴ سال کی عمر میں پیوند خاک ہو گئے۔

مستقل فقہی مذہب کی تشکیل

امام شافعی نے اپنے مستقل فقہی مذہب کی تشکیل اس وقت شروع کی، جب ۱۹۵ھ میں دوبارہ بغداد تشریف لائے، بغداد میں ان کا مستقل فقہی دبستان وجود میں آیا، ان کے بغدادی تلامذہ نے ان کے اجتہادات وآراء کی اشاعت کی، ۱۹۹ھ میں مصر تشریف لے جانے کے بعد انہوں نے اپنی فقہی آراء پر نظر ثانی کی، بہت سے مسائل میں ان کی تحقیق اور رائے تبدیل ہوگئی، فقہ شافعی میں امام شافعی کی دور بغداد کی آراء واجتہادات، مذہب قدیم کے نام سے، اور دور مصر کے اجتہادات، مذہب جدید کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

امام شافعی کے تلامذہ اور تصنیفات

امام شافعی کے نامور ترین شاگردوں میں امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کے نام آتے ہیں، لیکن ان دونوں حضرات کا مستقل فقہی دبستان وجود میں آیا، امام شافعی کے نامور تلامذہ کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) مکی دور کے تلامذہ: امام شافعی نے بغداد میں پہلی مرتبہ قیام کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لا کر تقریباً ۹ سال حرم مکی میں درس دیا، امام شافعی کے اس دور کے تلامذہ میں ابوبکر حمیدی (متوفی ۲۱۹ھ)، ابواسحاق ابراہیم بن محمد مطلبی (متوفی ۲۳۷ھ)، ابوبکر محمد بن ادریس، ابوالولید موسیٰ ابن ابی الجارود وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

(۲) بغدادی دور کے تلامذہ: امام شافعی کے دوبارہ بغداد تشریف لانے کے بعد مصر تشریف لے جانے سے پہلے ان سے جن حضرات نے استفادہ کیا ان میں سے چند نمایاں نام یہ ہیں: ابوعلی الحسن الصباح الزعفرانی (متوفی ۲۶۰ھ)، ابوعلی حسین بن علی کرابیسی (متوفی ۲۵۶ھ)، ابوثور کلبی (متوفی ۲۴۰ھ)، ابوعبدالرحمن احمد بن محمد بن یحییٰ اشعری۔

(۳) مصری دور کے تلامذہ: امام شافعی کی زندگی کا آخری دور مصر میں گذرا، قیام مصر کے دوران ان سے استفادہ کرنے والے چند نامور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

حرملہ بن یحییٰ بن حرملہ (متوفی ۲۶۶ھ)، ابویعقوب یوسف بن یحییٰ بویطی (متوفی ۲۳۱ھ)، ابوابراہیم اسماعیل

بن یحییٰ مزنی (متوفی ۲۶۴ھ)، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم (متوفی ۲۵۸ھ)، ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار بن کامل مرادی (متوفی ۲۷۰ھ)۔

تصنیفات

امام شافعی کی تصنیفات میں کتاب ''الرسالۃ'' اصول فقہ کے بنیادی مباحث پر مشتمل ہے، امام شافعی نے عراق کے زمانۂ قیام میں فقہ وفروع پر جو کتابیں تصنیف کیں ان کا مجموعہ ''الحجۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کی روایت زعفرانی اور کرابیسی نے کی، زعفرانی نے امام شافعی سے جن کتابوں کی روایت کی ان کے مجموعہ کو ابن ندیم نے ''المبسوط'' کے نام سے ذکر کیا، اس لئے بعض تذکرہ نگاروں کی رائے میں ''الحجۃ'' اور ''المبسوط'' ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں، اسی مجموعۂ کتب میں امام شافعی نے مصر پہنچنے کے بعد کچھ تبدیلیاں اور حذف واضافے کئے، اس کے بعد یہی کتاب ''کتاب الام'' کے نام سے معروف ہوئی، ''کتاب الأم'' ایک کتاب نہیں بلکہ امام شافعی کی اکثر تالیفات کا مجموعہ ہے، علامہ سیوطی نے زمانۂ مصر کی تصنیفات میں ''کتاب الأم'' کے علاوہ ''الامالی الکبریٰ''، ''الاملاء الصغیر'' کا نام لیا ہے، ابوالحسین آبری کی روایت کے مطابق امام شافعی کی ایک تصنیف ''کتاب السنن'' بھی ہے، ان کی تصنیفات میں ''احکام القرآن'' اور ''اختلاف الحدیث'' وغیرہ بھی ہیں، امام صاحب کی بیشتر تصنیفات ''کتاب الأم'' میں شامل ہیں جو بار بار شائع ہوچکی ہے۔

امام شافعی کی کتاب ''الرسالۃ''

الرسالۃ امام شافعی کی مشہور ترین کتاب ہے، بہت سے تذکرہ نگاروں نے الرسالۃ کو اصول فقہ کی سب سے پہلی تصنیف قرار دیا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے، کیوں کہ کتب طبقات وتراجم میں اصول فقہ پر امام ابو یوسف اور امام محمد کی بعض کتابوں کا ذکر آتا ہے، اس لئے یہ بات قطعیت کے ساتھ تو نہیں کہی جاسکتی کہ الرسالۃ اصول فقہ کی سب سے پہلی کتاب ہے، لیکن یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ اسلامیات کے دستیاب لٹریچر میں الرسالۃ اصول فقہ پر اولین کتاب ہے۔

الرسالۃ حضرت عبدالرحمن بن مہدی (متوفی جمادیٰ الآخرۃ ۱۹۸ھ) کی فرمائش پر لکھی گئی، امام شافعیؒ کے متعدد تذکرہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی نے امام شافعی کو ایک خط میں لکھا کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کریں جس میں معانی قرآن کا بیان ہو، احادیث کے قبول ہونے کی شرطیں ہوں، اجماع کی حجیت کا بیان ہو، قرآن و سنت کے ناسخ ومنسوخ کی وضاحت ہو۔ حضرت عبدالرحمن بن مہدی کی اس فرمائش پر علی بن مدینی کی مزید تحریک سے امام شافعی نے اصولی مباحث پر مشتمل یہ کتاب تصنیف کی۔

امام شافعی نے ''الرسالۃ'' کی تصنیف دو بار کی، یا یہ کہئے کہ ایک بار اس کتاب کی تصنیف مکمل کرنے کے بعد

دوبارہ اس پر نظر ثانی کی اور اس میں خاصا حک وفک کیا، تذکرہ نگاروں کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ الرسالۃ پر آخری نظر ثانی اور حذف واضافہ کا کام مصر کے زمانۂ قیام میں انجام دیا گیا، اس اصلاح شدہ نسخہ کو ''الرسالۃ الجدیدۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اور الرسالۃ کا یہی نسخہ دستیاب ہے، لیکن الرسالۃ کی پہلی تصنیف وتدوین مکہ مکرمہ میں انجام پائی یا بغداد میں اس کے بارے میں تذکرہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں۔

الرسالۃ اصول فقہ کی اولین کتاب ہے، یا زیادہ محتاط الفاظ میں اصول فقہ کی اولین کتابوں میں سے ہے، اس لئے اس میں اصول فقہ کے تمام مسائل ومباحث کا احتواء نہیں کیا جاسکا ہے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ اصول فقہ کے بہت سے بنیادی مباحث اس کتاب میں بڑی وضاحت سے آگئے ہیں، اسی طرح یہ کتاب اصول حدیث کے بڑے قیمتی مباحث پر بھی مشتمل ہے، اس لئے الرسالۃ کو علم اصول حدیث کا بھی خشت اول کہہ سکتے ہیں۔

الرسالۃ کے بارے میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس میں خیالات اور مضامین امام شافعی کے ہیں، لیکن ان خیالات و مضامین کو الفاظ کا جامہ ان کے کسی شاگرد نے پہنایا ہے۔ الرسالۃ کو امام شافعی کی تصنیف قرار دیا جائے یا امالی، بہر حال اس میں معانی اور الفاظ دونوں امام شافعی کے ہیں، اس لئے ادب وبلاغت کے اعتبار سے اس کتاب کی بڑی قدر و قیمت ہے، امام شافعی کی لغت وادب میں امامت کبار ائمۂ لغت وادب نے بھی تسلیم کی ہے، اصمعی، ثعلب، جاحظ، ابن ہشام ان کی ادبی عظمت کے بیان میں رطب اللسان ہیں، اس لئے الرسالۃ عربی کے قدیم ترین نثری ادب کا عظیم تر شاہکار ہے۔

الرسالۃ اسلامیات کے ذخیرہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب نے اصولی مباحث پر بحث و مناقشہ اور تصنیف وتالیف کے رجحان کو پروان چڑھایا، بہت سے چوٹی کے علماء نے الرسالۃ کی شرح لکھی، بعض اہل تحقیق نے اس کتاب کے مباحث ومسائل پر تنقیدی اور تجزیاتی نظر ڈالی اور مختلف اصولی مباحث میں اپنا اختلافی نقطۂ نظر اجاگر کیا، الرسالہ کے مشہور شارحین میں امام ابوبکر محمد بن عبداللہ صیوفی (متوفی ۳۳۰ھ)، امام ابوالولید نیساپوری (متوفی ۳۴۹ھ)، قفال کبیر شاشی محمد بن علی بن اسماعیل (متوفی ۳۶۵ھ)، امام ابوبکر جوزقی نیشاپوری (متوفی ۳۸۸ھ)، امام ابومحمد جوینی (متوفی ۴۳۸ھ) کے نام آتے ہیں۔

الرسالۃ کے ایڈیشن

الرسالۃ کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں، ہمارے پیش نظر الرسالۃ کا وہ شاندار ایڈیشن ہے جو شیخ احمد محمد شاکر کی تحقیق وشرح کے ساتھ شائع ہوا ہے، الرسالہ کے زیر نظر ایڈیشن کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قدیم اشاعتوں کا مختصراً تذکرہ کردیا جائے۔

(۱) الرسالۃ کا سب سے پہلا ایڈیشن ۱۳۱۲ھ میں یوسف صالح محمد الجزمادی کی تصحیح کے ساتھ المطبعۃ العلمیۃ مصر

سے شائع ہوا۔

(۲) دوسرا ایڈیشن ۱۳۱۵ھ میں المطبعۃ الشرقیہ مصر سے شائع ہوا۔

(۳) تیسرا ایڈیشن ۱۳۲۱ھ میں مطبعۃ بولاق مصر سے شائع ہوا۔

شیخ محمود احمد شاکر کے بیان کے مطابق یہ تینوں ایڈیشن اغلاط سے پُر تھے، اس لئے الرسالۃ کے ایک مصحح اور محقق ایڈیشن کی ضرورت محسوس ہوئی۔

شیخ احمد محمد شاکر نے اپنی تحقیق وتصحیح میں مذکورہ بالا تینوں اشاعتوں کو پیش نظر رکھا ہے، اوران کے اغلاط کی نشاندہی کی ہے، شیخ کی تحقیق وتصحیح کی اصل بنیاد الرسالۃ کے دو مخطوطات پر ہے، ان میں سے ایک مخطوطہ امام شافعی کے مشہور شاگرد اوران کی کتابوں کے راوی ربیع بن سلیمان کے قلم سے ہے۔

تحقیق متن کی صحت و استناد کے لئے شیخ احمد محمد شاکر کا نام کافی ہے، انہوں نے بڑی عرق ریزی اور جگر کاوی سے الرسالۃ کا یہ محقق نسخہ تیار کیا ہے، جابجا قیمتی شرح وتعلیق سے کتاب سے استفادہ آسان بنا دیا ہے، اوراس کی افادیت دوچند کردی ہے، پوری کتاب کی پیرا گرافنگ کردینے کی وجہ سے قارئین کے لئے فہم کتاب میں بڑی سہولت ہوگئی ہے۔

الرسالۃ کے مضامین کا تعارف

اصل کتاب سے پہلے محقق کے قلم سے امام شافعی اوران کی کتاب الرسالۃ کے بارے میں فاضلانہ مقدمہ ہے، اور دونوں مخطوطات کا تفصیلی تعارف ہے۔

امام شافعیؒ اوران کی کتاب الرسالۃ کا تعارف گیارہ صفحات (۵ تا ۱۵) میں کرایا گیا ہے، اس ضمن میں ڈاکٹر زکی مبارک کے اس دعویٰ کی پرزور تردید کی گئی ہے کہ کتاب الام امام شافعی کی تصنیف نہیں ہے (ص ۹ تا ۱۰)۔

الرسالۃ کے جن دو مخطوطات کو بنیاد بنا کر تحقیق کا کام انجام دیا گیا وہ دونوں دارالکتب المصریۃ کی ملکیت ہیں، ان دونوں نسخوں کا مفصل تعارف کرایا گیا ہے (ص ۱۷ تا ۲۹)۔ ربیع بن سلیمان (تلمیذ امام شافعی) کے تحریر کردہ نسخہ کے ساتھ بہت سے مشاہیر محدثین وفقہاء کے سماعات اور توقیعات ہیں، اسی طرح نسخہ ابن جماع میں بھی چند سماعات ہیں، ان سب کو محقق نے پوری تحقیق اور احتیاط سے نقل کردیا ہے (ص ۳۰ تا ۸۴) سماعات میں جن حضرات کے نام آئے ہیں، ان کے ناموں کی فہرست آٹھ صفحات (ص ۸۵ تا ۹۲) میں ہے، اس کے بعد بارہ صفحات میں مخطوطات کے مختلف اوراق کے فوٹو ہیں۔

مقدمہ اور تعارف مخطوطات وغیرہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوئی ہے۔ کتاب کے صفحات کی نمبرنگ علیحدہ سے کی گئی ہے، مقدمہ وغیرہ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے، ٹائٹل وغیرہ کے بعد صفحہ (۷) سے اصل کتاب شروع ہوتی

ہے۔امام شافعی نے حمد وصلوٰۃ کے دوران بعثت محمدی کے وقت پائے جانے والے دوانسانی طبقوں (اہل کتاب اور مشرکین) کا ذکر کیا ہے(ص۸ تا۱۶)۔

اس کے بعد امام شافعیؒ نے قرآن کریم کے مرتبہ اور مقام کا بیان کیا ہے(ص۱۷ تا۲۰)۔ان ابتدائی مباحث کے بعد امام شافعی نے بیان قرآنی کے بارے میں ایک باب قائم کیا ہے اور بیان کے مختلف اقسام پر مثالوں کے ساتھ روشنی ڈالی ہے (ص۲۱ تا ۵۳)، بیان کی حقیقت اور اقسام پر امام شافعی کی یہ بحث عربی لغت وادب کے طلبہ کے لئے بھی بڑی فکر انگیز ہے،اس ضمن میں امام شافعیؒ نے اس نقطۂ نظر کی بھی مفصل تردید کی ہے کہ قرآن کریم میں کچھ عجمی الفاظ بھی ہیں (ص۴۱ تا ۴۸)، اس کے بعد چند ابواب بیان قرآنی اور قرآن کے مختلف اسالیب بیان کے بارے میں ہیں(ص ۵۳ تا ۷۲)۔

اس کے بعد امام شافعی نے سنت رسول کی حجیت اور دین میں اس کے مقام پر مبسوط کلام کیا ہے،اس ضمن میں یہ ابواب قائم کئے ہیں (۱)اس بات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے نبیؐ کے طریقے کی اتباع لازم قرار دی ہے(ص ۷۳ تا۷۹)، (۲)اس بات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کی فرضیت بیان کرنے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی فرضیت بھی بیان کی ہے اور علیحدہ بھی اطاعت رسول کی فرضیت بیان فرمائی ہے (ص۷۹ تا۸۲)، (۳)اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطاعت رسول کا حکم (ص ۸۲ تا۸۵)، (۴)اس بات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات پر واضح فرمایا ہے کہ خود رسول کے لئے وحی الٰہی کی اتباع ضروری ہے،اور اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ نبی اکرمؐ احکام الٰہی کے پابند ہیں (۸۵ تا ۱۰۵)۔اس باب میں امام شافعیؒ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ احادیث رسول کا ایک حصہ اگر قرآنی احکام کی تفصیل وتشریح کرتا ہے تو دوسرا حصہ ایسے احکام اور تعلیمات پر مشتمل ہے جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے،امام شافعی نے سنت رسول کی مستقل تشریعی حیثیت پر بہت مدلل کلام کیا ہے اور سنت کو مستقل دلیل شرعی نہ ماننے والوں پر حجت قائم کی ہے،اس سلسلے میں امام شافعیؒ کی ذکر کردہ ایک حدیث کے متن اور سند پر شیخ احمد محمد شاکر نے بڑا محققانہ کلام کیا ہے(ص ۹۳ تا ۱۰۳)۔

اس ذیل میں امام شافعیؒ نے ناسخ ومنسوخ کی بحث چھیڑی ہے اور اپنا یہ نقطۂ نظر پیش کیا ہے کہ قرآن کا نسخ قرآن ہی سے ہوسکتا ہے اور سنت کا نسخ سنت ہی سے ہوسکتا ہے، ہاں احادیث سے ناسخ منسوخ آیات قرآنی کی شناخت ضرور ہوتی ہے(ص۱۰۶ تا۱۱۷)۔

نسخ کی بحث کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں ناسخ ومنسوخ آیات کی شناخت احادیث سے ہوتی ہے، اور احادیث سے احکام قرآن کے بہت سے پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے(ص ۱۱۷ تا ۱۴۶)، اس کے بعد ایسے بہت سے احکام وفرائض کا ذکر کیا گیا ہے جن کا اجمالی ذکر قرآن کریم میں

ہے اور احادیث نے ان احکام وفرائض کے بہت سے پہلوؤں کی وضاحت کی ہے (ص ۱۴۷ تا ۲۰۳)، صفحہ (۲۰۳) پر ربیع بن سلیمان کے نسخہ کے اعتبار سے الرسالہ کا جزء اول ختم ہوجاتا ہے۔

صفحہ (۲۰۵) سے الرسالہ کا جزء ثانی شروع ہوتا ہے، (ص ۲۱۰) تک بحث کا سرا جزء اول کے آخر سے مربوط ہے، اس کے بعد امام شافعی نے ''علل احادیث'' کے بارے میں ایک طویل باب قائم کرکے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ احادیث میں اختلاف کے متعدد اسباب ہوتے ہیں، ان میں سے بعض اسباب پر امام صاحب نے سیر حاصل گفتگو کی ہے، انہوں نے حدیث میں غلطی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان کی یہ طویل بحث محدثین کے لئے بھی چشم کشا ہے (ص ۲۱۰ تا ۳۴۲)، اس کے بعد امام شافعیؒ نے اللہ اور رسول کی نہی کے اقسام واحکام پر مختصر گفتگو کی ہے (ص ۳۴۳ تا ۳۵۵)۔

علم کے بارے میں ایک باب قائم کرکے امام شافعیؒ نے واضح کیا ہے کہ علم دین کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم عام جس سے ناواقف ہونا کسی عاقل بالغ مسلمان کے لئے جائز نہیں، علم کی یہ قسم کامل طور پر پوری صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہے، اس کی تفصیلات سے عام طور پر جمہور مسلمین واقف ہیں، اس علم کو مسلمانوں کی ہر نسل پہلی نسل سے سیکھتی چلی آئی ہے، اس کے نقل کرنے اور اس کے واجب ہونے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں، اس علم عام میں نقل اور تاویل کسی راہ سے غلطی کا امکان نہیں۔

(۲) علم دین کی دوسری قسم فرائض کے ان فروع اور دوسرے احکام پر مشتمل ہے جن کے بارے میں کتاب اللہ کی کوئی نص موجود نہیں ہے، نہ ہی ان میں سے اکثر کے بارے میں اخبار خاصہ کے علاوہ کوئی منصوص سنت آئی ہے، خبر خاصہ سے خبر واحد مراد ہے جس کے نقل کرنے والے حد تواتر سے کم ہوتے ہیں (ص ۳۵۷ تا ۳۶۹)، اس باب کے ذریعہ امام شافعیؒ نے دراصل اگلے دو اہم ترین مباحث کی تمہید قائم کی ہے، یہ دونوں مباحث خبر واحد کے بارے میں ہیں۔

خبر واحد کے باب میں انہوں نے خبر واحد کی تعریف اور اس کی شرطیں ذکر کی ہیں، شہادت اور روایت کا فرق واضح کیا ہے، خبر واحد کن امور میں قبول کی جائے گی اور کن میں نہیں ان کی وضاحت کی ہے، خبر واحد کی حجیت ثابت کرنے کے ساتھ خبر واحد کی حجیت کا انکار کرنے والوں کے شبہات کا استدلالی انداز میں پوری قوت سے رد کیا ہے (ص ۳۶۹ تا ۴۷۱)، اس پوری بحث کو پڑھنے کے بعد اخبار آحاد کے بارے میں امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے، یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس دور میں خبر واحد کے بارے میں اہل علم میں کیا کیا نقطہ ہائے نظر رائج تھے۔

باب اجماع میں امام شافعیؒ نے اجماع کی حقیقت اور حجیت پر بحث کی ہے (ص ۴۷۱ تا ۴۷۶)، اس کے بعد قیاس پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے قیاس کے معنی، ماہیت، ضرورت اور قیاس کے اقسام پر بحث کی ہے، واضح کیا ہے کہ قیاس کرنا کس کے لئے درست ہے اور کس کے لئے درست نہیں (ص ۴۷۶ تا ۴۸۶)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قیاس اوراجتہاد ہم معنی ہیں، انہوں نے باب القیاس کے بعد باب الاجتہاد قائم کیا ہے لیکن دونوں ابواب کے مباحث تقریباً مشترک ہیں۔اجتہاد کا باب (ص ۴۸۷) سے شروع ہوکر (ص ۵۰۳) پر ختم ہوتا ہے، امام شافعیؒ نے باب الاستحسان کے تحت استحسان کی پرزورتردید کی ہے، بہ ظاہر استحسان کا باب (ص۵۵۹) تک چلا گیا ہے، لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ باب قیاس، باب اجتہاد، باب استحسان تینوں کی زیادہ تر بحثیں قیاس سے تعلق رکھتی ہیں، کیوں کہ قیاس اوراجتہاد دونوں امام شافعی کے نزدیک ہم معنی ہیں اوراستحسان بھی منفی انداز سے قیاس ہی سے مربوط ہے، قیاس کی زیادہ تر فنی بحثیں باب الاستحسان ہی میں آتی ہیں۔

اس کے بعد اہل علم کے اختلاف کے بارے میں ایک باب قائم کرکے مصنف نے واضح کیا ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں: (۱) اختلاف حرام (۲) اختلاف جائز۔اختلاف حرام وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یا زبان نبوت سے حجت قائم کردی ہے، اوراختلاف جائز ان مسائل میں اختلاف کا نام ہے جو قابل تاویل ہیں اورقیاس سے ان کا علم ہوتا ہے، انہوں نے مذکورہ دونوں قسموں پر استدلال کیا ہے، اختلاف جائز کی بعض مثالیں دی ہیں، اس کے بعض اسباب ذکر کئے ہیں، نمونہ کے طور پر چند ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں فقہاء صحابہ کے درمیان اختلاف تھا، مثلاً عدت، ایلا، میراث وغیرہ (ص ۵٦۰ تا ۵۹٦)۔

اس باب کے آخر میں امام شافعیؒ نے اقوال صحابہ کے بارے میں اپنا مسلک واضح کیا ہے، اس کے بعد ادلۂ شرعیہ کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کا خلاصہ تحریر کیا ہے (ص۵۹۸ تا ٦۰۱) اس طرح (ص ٦۰۱) پر الرسالہ ختم ہوجاتی ہے۔

کتاب ختم ہونے کے بعد ٦ صفحات (ص ٦۰۳ تا ٦۰۸) میں استدراک ہے، دوصفحات (٦۰۹ تا ٦۱۰) میں مراجع کی فہرست ہے، لیکن یہ صرف مراجع کا تتمہ ہے، محقق نے ذکر کیا ہے کہ مراجع کی کامل فہرست میری شرح ترمذی کے مقدمہ جزء اول میں (ص ۹۷ تا ۱۰۳) تک میں درج ہے، کتاب کی افادیت کو بڑھانے اوراس سے استفادہ آسان بنانے کے لئے مختلف پہلوؤں سے کتاب کی فہرستیں بنائی گئی، وہ فہرستیں یہ ہیں:

(۱) آیات قرآنی کی فہرست، ص ٦۱۲ تا ٦۲۰

(۲) ابواب کتاب کی فہرست، ص ٦۲۱ تا ٦۲۳

(۳) اشخاص وغیرہ کی فہرست، ص ٦۲۴ تا ٦۴٦

(۴) مقامات کی فہرست، ص ٦۴۷ تا ٦۴۸

(۵) اشیاء کی فہرست (حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ) ص ٦۴۹ تا ٦۵۴

(٦) ان مفرد الفاظ کی فہرست جن کی تشریح اصل کتاب یا اس کی شرح میں کی گئی ہے، ص ٦۵۵ تا ٦۵۸

(۷) فوائد لغویہ کی فہرست، ص ۶۵۹ تا ۶۶۲

(۸) اصول فقہ، اصول حدیث، حدیث وفقہ کے موضوعات ومسائل کی فہرست، ص ۶۶۳ تا ۶۷۰

اصل کتاب کے صفحات ۶۰۱ ہیں، لیکن کتاب سے قبل مقدمہ وغیرہ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہیں، اور کتاب کے آخر میں فہارس وغیرہ ۷۰ صفحات کی ہیں، اس طرح مجموعی صفحات ۷۷۵ بن جاتے ہیں۔

کتاب پر شیخ احمد محمد شاکر کا تحقیق وشرح کا کام معیاری اور مثالی ہے لیکن اسے ستم ظریفی ہی کہا جائے گا کہ کتاب میں نہ کہیں ناشر کا نام درج ہے نہ سن اشاعت، ہاں محقق کے مقدمہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مرحوم سید مصطفی البابی الحلبی کے صاحبزادگان کی فرمائش اور مالی سرپرستی سے تین سال میں اس کتاب کی تحقیق وشرح کا کام انجام دیا ہے، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کا ناشر ''مکتبۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ'' ہے۔

مصادر ومراجع

(۱) ذہبی (۸۴۷ھ) سیر اعلام النبلاء، ج ۱۰ ص ۵ تا ۹۹، نواں ایڈیشن، بیروت

(۲) ذہبی (۸۴۷ھ) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۳۶۱ تا ۳۶۳، طبع اول، حیدرآباد

(۳) بیہقی (۴۵۸ھ)، مناقب الشافعی دو جلدیں، طبع اول، ۱۹۷۱ء، قاہرہ

(۴) جمال الدین اسنوی (۷۲۲ھ)، طبقات الشافعیہ، ج ۱/ص ۱۱ تا ۱۴، طبع اول ۱۹۷۱ء، بغداد

(۵) تاج الدین سبکی (۷۷۱ھ)، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جلد اول، طبع اول ۱۹۷۰ء (تحقیق) قاہرہ، محمود محمد طناحی

(۶) ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس طبع اول بولاق قاہرہ

(۷) ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) تہذیب التہذیب ج ۹/ص ۲۵ تا ۳۱ طبع اول، ۱۹۹۳ء قاہرہ دار الکتاب الاسلامی

(۸) ابوحاتم رازی (۳۲۷ھ) کتاب الجرح والتعدیل ج ۷/ص ۲۰۱ تا ۲۰۴ طبع اول، ۱۹۵۲ء حیدرآباد

(۹) خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)، تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۵۶ تا ۷۳ دار الکتاب العربی بیروت

(۱۰) ابن خلکان (۶۸۱ھ)، وفیات الاعیان، ج ۴/ص ۱۶۳ تا ۱۶۹ دار مناذر، بیروت، تحقیق ڈاکٹر احسان عباس

(۱۱) ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ)، حلیۃ الاولیاء جزء ۹، ص ۶۱ تا ۱۶۳ طبع سوم ۱۹۸۰ء بیروت، دار الکتاب العربی

(۱۲) یاقوت حموی (۶۲۶ھ)، معجم الادباء، جزء ۷/ص ۲۸۱ تا ۳۲۷ طبع سوم ۱۹۸۰ء قاہرہ، دار الفکر

(۱۳) ابوزہرہ، الشافعی، طبع سوم، دار الفکر قاہرہ

(۱۴) عبد الغنی الدقر، الامام الشافعی، طبع اول، دار القلم، بیروت

(۱۵) عبد الحلیم الخبری، الامام الشافعی، تیسرا ایڈیشن، قاہرہ دار المعارف۔